''اصولِ کرخی'' کے تین قواعد کی تشریح

از: مفتی محمد طارق محمود
مدرس ومعین مفتی جامعہ عبداللہ بن عمر، لاہور

[''اصولِ کرخی'' حنفیہ کے فقہی ضوابط پر ایک معروف رسالہ ہے۔اس کا اصل نام ''مدار الاصول'' ہے۔اس کے تین قواعد ۲۹، ۳۰، ۳۱ کے بارے میں ایک طالب علم نے تحریری جواب طلب کیا تھا۔اس کا جواب بندہ نے لکھا اور حضرت الاستاذ مولانا نور البشر حفظہ اللہ کی خدمت میں پیش کیا۔حضرت نے پسند فرمایا اور مزید کچھ اضافے کی رائے دی؛ چنانچہ مزید اضافہ کیا اور پھر وہ جواب حضرت الاستاذ مفتی محمد نوید خان حفظہ اللہ کی تصویب سے فتوی کی شکل میں جاری ہوا۔اس فتوے کا متن قدرے اختصار واضافے کے ساتھ مضمون کی صورت میں مرتب پیش کیا جارہا ہے۔پہلے کچھ تمہیدی امور مذکور ہیں۔ان کے بعد ان تینوں قواعد کی عبارت مع ترجمہ ہے۔اس کے بعد ان کی صحیح مراد واضح کی گئی ہے۔]

امام کرخی کے حالات

ابوالحسن عبیداللہ بن حسین کرخی نام ہے۔زمانہ ۲۶۰ - ۳۴۰ھ ہے۔حنفیہ کے مشہور فقیہ اور اصولی ہیں۔ابوحازم اور ابوسعید بردعی کے بعد آپ حنفیہ کے سب سے بڑے امام ہوئے۔ابوبکر رازی، ابوعبداللہ دامغانی، ابوعلی شاشی، اور ابوالقاسم علی بن محمد تنوخی آپ کے مشہور تلامذہ میں سے ہیں۔آپ صوم وصلاۃ کے بڑے پابند اور فقر وحاجت پر بڑے صبر کرنے والے تھے۔آخری عمر میں فالج ہوگیا تو تلامذہ نے بادشاہ سیف الدولہ کو ان کے بارے میں لکھا۔آپ کو پتا چلا تو رو پڑے اور دعا کی: ''اے اللہ! میرا رزق وہیں سے دیجیے جہاں سے مجھے آپ دیتے ہیں''۔سیف الدولہ کا عطیہ ۱۰۰۰۰ درہم پہنچنے سے پہلے انتقال ہوگیا۔رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔(مأخذہ: الجواہر المضیۃ: ۱/۳۳۷) بعض نے ان پر معتزلی ہونے کا طعن کیا ہے؛ لیکن یہ بات پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتی، جیسا کہ شرح ''مدار الاصول'' کے محقق دکتور اسماعیل عبد عباس نے تفصیل سے ذکر کیا ہے۔

مجتہد شارح ہے، نہ کہ شارع

یہ بات واضح ہے کہ مجتہد کی حیثیت اسلامی قانون کی شرح کرنے والے کی ہے، نہ کہ قانون بنانے والے کی؛ لیکن تنبیہ کے درجے میں اہلِ علم کی کچھ نصوص اس بارے میں درج کی جاتی ہیں۔
قال الامام أبو حنيفة: آخذُ بكتاب الله، فما لم أجد فسنة رسول الله ﷺ، فما لم أجدْ فى كتابِ الله ولا سنةِ رسوله آخذ بقول أصحابِه، آخذُ بقول من شئت منهم وأدعُ قولَ من شئت ولا أخرجُ من قولهم إلى قولِ غيرهم. (دراسات فی اصول الحدیث: ص۱۴) امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں کتاب اللہ کو لیتا ہوں، جو بات اس میں نہ ملے تو رسول اللہ ﷺ کی سنت کو لیتا ہوں، جو بات کتاب اللہ اور اس کے رسول کی سنت میں نہ ملے تو آپ کے صحابہ کے قول کو لیتا ہوں۔ ان میں سے جس کے قول کو چاہتا ہوں (راجح ہونے کی بنا پر) اسے لیتا ہوں، اور جس کے قول کو چاہتا ہوں (مرجوح ہونے کی بنا پر) اسے چھوڑتا ہوں۔

صح عنه (أى عن الامام ابى حنيفة) أنه قال: اذا صَحَّ الحديثُ فهو مذهبى. وقد حكى ذلك ابن عبد البر عن أبى حنيفة وغيره من الأئمة. ونَقَلَه أيضا الامامُ الشعرانى عن الأئمة الأربعة. ولايخفى أن ذلك لمن كان أهلًا للنظر فى النصوص ومعرفة محكمها من منسوخها. (ردالمحتار: ۱/۶۷، ۶۸ مطلب صح عن الامام أنہ قال: اذا صح الحدیث فهو مذہبی) امام ابوحنیفہ سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا: جب حدیث ثابت ہوجائے تو وہی میرا مذہب ہے۔ ابن عبدالبر نے امام ابوحنیفہ اور دیگر ائمہ سے یہ بات نقل کی ہے۔ اور امام شعرانی نے بھی ائمہ اربعہ سے یہ بات نقل کی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ کام اس کا ہے جو دلائل میں غور کرنے کی اہلیت رکھتا ہو اور محکم کو منسوخ سے جدا کرسکے۔

وفى الظهيرية: روى عن أبى حنيفة أنه قال: لايحل لأحد أن يفتى بقولنا مالم يعلم من أين قلنا. (البحر الرائق: ۶/۲۹۳) امام ابوحنیفہ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا: کسی کو ہمارے قول پر فتوی دینا درست نہیں جب تک کہ اسے اس کی دلیل معلوم نہ ہوجائے۔ قال زفر: لا تَلْفِتُوا إلى كلامِ المخالفين فان أباحنيفة وأصحابنا لم يقولوا فى مسئلة إلّا من الكتاب والسنةِ والأقاويلِ الصحيحةِ ثم قَاسُوا بعدُ عليهما. (مناقب الموفق: ۱/۸۳) امام زفر فرماتے ہیں: مخالفین کی باتوں کی پروانہ کرو؛ کیونکہ ابوحنیفہ اور ہمارے علماء نے کتاب وسنت اور صحیح اقوالِ (صحابہ) سے ہی احکام لیے ہیں، پھر ان پر قیاس کیا ہے۔ ابن المبارك قال: لاتقولوا رأى أبى حنيفة

ولكن قولوا تفسير الحديث. (**الوجيز:ص۵۰**) **عبداللہ بن مبارک کہتے ہیں: ابوحنیفہ کی رائے نہ کہو؛ بلکہ کہو وہ حدیث کی تفسیر ہے۔**

قال محمد بن الحسن: لا يستقيم الحديث إلّا بالرأى، ولايستقيم الرأى إلّا بالحديث. (**اصول البزدوی:ص۵**) **امام محمد فرماتے ہیں: حدیث بغیر رائے کے سمجھ نہیں آتی، اور رائے بغیر حدیث کے صحیح نہیں ہوتی۔** اعلم أن أصولَ الشرع ثلاثة: الكتاب والسنة واجماع الأمة. والأصل الرابعُ القياسُ. (**المنار مع کشف الاسرار: ۱۲/۱**) **جان لو کہ شریعت کی دلیلیں تین ہیں: کتاب، سنت اور اجماع امت۔ اور چوتھی دلیل قیاس ہے۔** قال أبوعمر: ليس أحد من علماء الأمة يثبت حديثًا عن رسول اللّٰه ثم يرده دونَ ادعاءِ نسخٍ بأثرٍ مثلِهِ أو باجماعٍ أو بعملٍ يجبُ على أصله الانقيادُ إليه أوطعنٍ فى سنده. ولوفعل ذلك أحد سقطت عدالته فضلا عن أن يتخذ اماما ولزمه اسم الفسق ولقد عافاهم اللّٰه عزوجل من ذلك. (**جامع بیان العلم: ۱۰۸۰/۲**) **ابن عبد البر فرماتے ہیں کہ علمائے امت میں سے کوئی نہیں کہ رسول اللہ کی حدیث نقل کرے اور پھر اسے رد کردے بغیر اس کے کہ اس کے منسوخ ہونے کا دعوی کرے، اس جیسی حدیث سے یا اجماع سے یا اس عمل سے جسے اس کے ہاں لینا ضروری ہو، یا سند میں طعن کرے۔ اور اگر ایسے کرے (بغیر معارض کے حدیث کو رد کرے) تو اس کا دیندار ہونا ہی ختم ہوجائے گا چہ جائے کہ اسے امام بنایا جائے، اور وہ فاسق ہوجائے گا اور اللہ تعالی نے انھیں اس سے محفوظ رکھا ہے۔ ابن عبدالبر نے امام ابوحنیفہ کی برا ٔت کے بیان میں یہ بات کہی ہے۔**

تقلید کی تفسیر یہ ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی احادیث وارشادات پر عمل کرتے ہیں اس تفسیر پر جو امام ابوحنیفہ نے بیان کی ہے۔ اتباع حدیث مقصود بالذات ہوگا اور امام ابوحنیفہ محض واسطہ فی التفہیم ہوں گے۔ جس مسئلے میں اختلاف ہوتا ہے اس میں احادیث مختلف ہوتی ہیں۔ (خطبات حکیم الامت: ۳۲،۳۱/۱۵)

مجتہد کا قول حدیث کے مخالف ہو تو چھوڑ دیا جاتا ہے

حضرت تھانوی فرماتے ہیں: حاصل یہ ہے کہ یہ حکم مخالفت کا (یعنی مجتہد کے کسی قول کے حدیث کے مخالف ہونے کا حکم) ایسے شخص کا کام ہے جو روایات میں متبحر ہو، درایت میں حاذق ومبصر ہو اور جس شخص میں بعض صفات ہوں بعض نہ ہوں اس حکم کی مخالفت کرنا معتبر نہیں۔ جیسا مقصد سوم میں ثابت ہوچکا ہے کہ ہر حافظ حدیث کا مجتہد ہونا ضروری نہیں۔ جس سے منصف کو یہ بھی معلوم

ہوسکتا ہے کہ جب حفاظ حدیث کو وجوہ استنباط کا پتہ نہیں لگتا تو آج کل جہلا، بے چارے اس کا احاطہ کب کر سکتے ہیں؟؛ چنانچہ ایسے جامع لوگوں نے جب کبھی کوئی قول مخالف دلیل پایا فوراترک کر دیا۔

جیسا حرمت مقدار قلیل مسکرات اور جواز مزارعت میں کتب حنفیہ میں امام صاحب کے قول کا متروک ہونا مصرح ہے؛ لیکن ایسے اقوال کی تعداد غالباً دس تک بھی نہ ہوگی؛ چنانچہ ایک بار احقر نے تفصیلاً تتبع کیا تو بجز پانچ چھے مسئلے کے، کہ ان میں تر ددر ہا۔ ایک مسئلہ بھی حدیث کے مخالف نہیں پایا گیا۔ اور وجوہ انطباق کو ایک رسالہ کی صورت میں بھی ضبط کیا تھا؛ مگر اتفاق سے وہ تلف ہو گیا؛ مگر اس کے ساتھ ہی مجتہد کی شان میں گستاخی کرنا حرام ہے؛ کیونکہ انھوں نے قصدا خلاف نہیں کیا، خطائے اجتہادی ہوگئی۔ جس میں بروئے حدیث ایک ثواب کا وعدہ ہے۔ (الاقتصاد فی التقلید والاجتہاد: ص۵۶) اور فرماتے ہیں: متبحر عالم اگر کسی مسئلہ کو خلاف دلیل سمجھے تو اس کا سمجھنا معتبر ہوگا۔ ایسے حضرات کا فہم معتبر ہوسکتا ہے جیسے حضرت مولانا گنگوہی، حضرت مولانا نانوتوی۔ (تحفۃ العلماء: ص۸۶۶، افادات حضرت تھانوی)

اذا أفتى المجتهد وظهر أن فتواه مخالف للكتاب أوالسنة وجب علينا اتباع الكتاب والسنة. روى البيهقى فى المدخل باسناد صحيح الى عبد الله بن المبارك قال: سمعت أباحنيفة يقول: اذا جاء عن النبى ﷺ فعلى الرأس والعين. (المظهرى:۲/۵۳) قلت: ولايظهر ذلك الا لمجتهد كامل أو لمجتهد فى المذهب بشرائط ولايظهر ذلك لكل أحد من الناس فافهم. (احکام القرآن للعثمانی: ۲/۲۹۴) جب مجتہد نے فتوی دیا اور اس کے فتوی کا کتاب یا سنت کے مخالف ہونا ظاہر ہوا تو ہم پر کتاب وسنت کی پیروی واجب ہے۔ بیہقی نے المدخل میں عبد اللہ بن مبارک تک صحیح سند سے روایت کیا ہے کہتے ہیں: میں نے امام ابوحنیفہؒ کو فرماتے ہوئے سنا: جب نبی اکرم ﷺ سے کوئی بات ثابت ہو تو وہ سر آنکھوں پر ہے۔ میں (مولانا ظفر احمد عثمانی) کہتا ہوں: یہ (مخالفت کا فیصلہ) مجتہد کامل یا مجتہد فی المذہب ہی کا حق ہے شرائط کے ساتھ۔ ہر شخص یہ نہیں کہہ سکتا۔

قال النووى: وهذا الذى قاله الشافعى (أى قوله: اذ اصح الحديث فهو مذهبى) ليس معناه أن كل أحد رأى حديثا صحيحا قال هذا مذهب الشافعى وعمل بظاهره. وانما هذا فيمن له رتبة الاجتهاد فى المذهب على ماتقدم من صفته أو قريب منه. وشرطه أن يغلب على ظنه أن الشافعى لم يقف على هذا الحديث أو لم يعلم صحته. وهذا انما يكون بعد مطالعة كتب الشافعى كلها ونحوها من كتب أصحابه الآخذين عنه وما أشبهها۔وهذا

شرط صعب قل من يتصف به. وانما اشترطوا ما ذكرنا لأن الشافعي ترك العمل بظاهر أحاديث كثيرة رآها وعلمها لكن قام الدليل عنده على طعن فيها أو نسخها أو تخصيصها أو تأويلها أو نحوذلك. قال الشيخ أبوعمرو: ليس العمل بظاهر ما قاله الشافعي بالهين فليس كل فقيه يسوغ له أن يستقل بالعمل بمايراه حجة من الحديث. (المجموع شرح المهذب:۱/۶۴) نووی کہتے ہیں: اور یہ جو امام شافعی نے فرمایا ہے (کہ جب حدیث ثابت ہوجائے تو وہی میرا مذہب ہے) اس کے یہ معنی نہیں کہ جو بھی صحیح حدیث دیکھے یہ کہنے لگے کہ یہ شافعی کا مذہب ہے اور اس کے ظاہر پر عمل کرلے۔ یہ صرف اس کے لیے ہے جسے اجتہاد فی المذہب کا رتبہ حاصل ہو جیسے پہلے بیان ہوا یا اس کے قریب ہو۔ اور اس کی شرط یہ ہے کہ اسے گمان غالب ہوجائے کہ شافعی کو یہ حدیث نہیں ملی یا اس کا صحیح ہونا انھیں معلوم نہیں ہوا۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جب شافعی کی سب کتب کا مطالعہ ہوجائے اور ان کے تلامذہ وغیرہ کی کتابوں کا بھی مطالعہ ہوجائے۔ اور یہ کڑی شرط ہے۔ کم لوگ اس درجے کے ہوتے ہیں۔ اور یہ شرط اس وجہ سے لگائی ہے کہ شافعی نے بہت سی احادیث جو انھیں معلوم تھیں ان کے ظاہری معنی ترک کردیے؛ کیونکہ ان میں طعن یا نسخ یا تخصیص یا تاویل وغیرہ کی دلیل ان کے ہاں پائی گئی تھی۔ شیخ ابوعمرو فرماتے ہیں: امام شافعی کے قول پر عمل کرنا آسان نہیں۔ ہر فقیہ کو یہ حق نہیں کہ وہ جو حدیث صحیح سمجھے اس پر عمل کرنے میں خود مختار ہوجائے۔ اور ظاہر ہے کہ امام شافعی کے اس قول کی جو مراد ہے وہی دیگر ائمہ کے اس قول کی مراد ہے۔

حسن ظن ہر مسلمان کا حق ہے

قال المهلب: قد أوجب الله تعالى أن يكون ظنُ المؤمن بالمؤمن حُسنًا أبدًا اذ يقول: لولا اذ سمعتموة ظنَّ المؤمنونَ والمؤمناتُ بأنفسِهِمْ خيرًا وقالوا هذا افك مبين (النور:۱۲) فاذا جعل الله سوء الظن بالمؤمنين إفْكًا مبينًا فقد ألزم أن يكون حسن الظن بهم صدقا بينا. (شرح صحیح بخاری ابن بطال:۲۶۱/۹) ومثلہ فی التفسیر المظہری:۴۷۶/۶۔ عن سعيد بن المسيب قال: كتب الى بعض اخوانى من أصحاب رسول الله ﷺ أن ضع أمر أخيك على أحسنه مالم يأتك ما يغلبك ولا تظنن بكلمة خرجت من امرئ مسلم شرا وأنت تجد له فى الخير محملا. وقد روينا بعض هذه الألفاظ عن أمير المؤمنين عمر. (شعب الایمان:۵۵۹/۱۰،۷۹۹۲) مہلب کہتے ہیں: اللہ تعالی نے لازم ٹھہرایا ہے کہ مومن کا مومن کے ساتھ گمان ہمیشہ اچھا ہو؛ چنانچہ فرمایا ہے: جس وقت تم لوگوں نے یہ بات سنی تھی تو ایسا

کیوں نہ ہوا کہ مؤمن مرد بھی اور مؤمن عورتیں بھی اپنے بارے میں نیک گمان رکھتے اور کہہ دیتے کہ یہ کھلم کھلا جھوٹ ہے؟ (آسان ترجمہ قرآن: ص۷۴۵) سعید بن مسیّب فرماتے ہیں: بعض صحابہ نے مجھے لکھا: اپنے بھائی کے حال کو اچھے سے اچھا سمجھو جب تک کہ اس کے خلاف کوئی پکی بات تمھیں معلوم نہ ہوجائے اور کسی مسلمان کی زبان سے نکلی ہوئی بات کو برا نہ سمجھو جب تک کہ اس کے اچھے معنی مراد لے سکو۔ ان میں سے کچھ الفاظ امیرالمؤمنین عمر سے بھی ہم نے روایت کیے ہیں۔

اصول کرخی کے تین قواعد ۲۹-۳۱

التاسع والعشرون قال: إنَّ كُلَّ آيةٍ تُخالفُ قولَ أصحابنا فَإنَّها تُحمل على النسخِ أو على الترجيحِ، وأولىٰ ذلك أنْ تحملَ على التأويل من جهة التوفيق.

الثلاثون قال: خبر يجيء بخلاف قول أصحابنا فإنَّهُ يُحْمَلُ على النسخ أو على أنه معارضٍ بمثله ثم يُصارُ الى دليلٍ آخرَ ويرجح كما يحتج به أصحابنا من وجوه الترجيح أو يُحمل على التوفيق. وانما يفعل ذلك على حَسَبِ قيامِ الدليل. فإنْ قامتْ دلالةُ النسخِ يُحمل عليها وان قامتُ الدلالةُ على غيرِه صِرْنا إليه على حسبه.

الحادى والثلاثون قال: إذا وَرَدَ عن الصحابى مخالفًا لقول أصحابنا فَإنْ كان لايصحُ فى الأصل كفينا مُؤْنَةُ جوابِه وان كان صحيحا فى موردِه فقد سبق ذكرُ أقسامِه وهو الحمل على النسخ أو على أنه معارض بمثله الا أن أحسنَ الوجوه وأبعدَها عن الشبهة أنه اذا ورد حديثُ الصحابى فى غير موضعِ الإجماع أن يجعل على التأويل بينه وبين صحابى مثله. (اصول الکرخی مع شرحہ للنسفی: ص۸۶-۹۴)

انتیسواں قاعدہ: ہر آیت جو ہمارے علماء کے قول کے مخالف ہو تو وہ منسوخ یا مرجوح سمجھی جائے گی۔ اور بہتر یہ ہے کہ اس میں تطبیق کی رو سے تاویل سمجھی جائے۔

تیسواں قاعدہ: جو حدیث ہمارے علماء کے قول کے خلاف ہو تو اسے منسوخ یا معارض بالمثل سمجھا جائے گا۔ پھر دوسری دلیل کی طرف رجوع ہوگا اور ترجیح دی جائے گی جیسے ہمارے علماء دلیل لیتے ہیں وجوہ ترجیح میں سے یا تطبیق پر محمول کیا جائے گا۔ اور یہ دلیل موجود ہونے کے لحاظ سے کیا جاتا ہے۔ اگر نسخ کی دلیل ہو تو یہ مراد لیا جائے گا۔ اور اگر کسی اور معنی کی دلیل ہو تو وہ مراد لیا جائے گا۔

اکتیسواں قاعدہ: جب صحابی کا کوئی قول ہمارے علماء کے قول کے مخالف ہو تو اگر وہ ثابت ہی نہیں تو اس کے جواب کی ضرورت ہی نہیں۔ اگر ثابت ہو تو اس کی قسمیں پہلے ذکر ہوچکی ہیں۔ یعنی

منسوخ سمجھنا یا معارض بالمثل سمجھنا۔تاہم سب سے بہتر یہ ہے کہ جب قول صحابی اجماعی مسئلے کے علاوہ کسی مسئلے میں آئے تو اس طرح کے دوسرے صحابی کے قول کی بناپر اسے مؤول سمجھا جائے۔

ان قواعد کی صحیح مراد

مجتہدین نے ایک مسئلے سے متعلق سب دلائل کو پیش نظر رکھ کر حکم معلوم کیا ہے۔اس میں یہ صورت بکثرت پیش آتی ہے کہ دلائل میں بظاہر تعارض ہو۔دلائل میں یہ صوری تعارض کیوں ہوتا ہے؟ یہ ایک مستقل مبحث ہے؛ تاہم یہ واقع ہے اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔رفعِ تعارض میں مجتہدین کے مناہج ایک دوسرے سے قدرے مختلف ہیں؛ تاہم رفع تعارض کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بعض دلائل کے ظاہری معنی مراد لیے جاتے ہیں اور بعض کے ظاہری معنی چھوڑ کر محتمل معنی مراد لیے جاتے ہیں۔کوئی دلیل منسوخ،کوئی مؤول اور کوئی مرجوح قرار پاتی ہے اور یہ سب دلیل کی بنیاد پر ہوتا ہے؛ چنانچہ مثلاً ''اعلاء السنن'' میں چند ابوابِ فقہ کے دلائل کی تفصیل دیکھنے سے واضح ہوگا۔اب جس کی نظر ایک بحث کے سب دلائل پر ہے اسے معلوم ہو سکے گا کہ کس دلیل کے کیا معنی سمجھے گئے ہیں اور جس کی نظر اتنی وسیع نہیں،اسے صرف ایک دلیل پہنچی اور مجتہد کا قول اس دلیل کے ظاہری معنی کے خلاف لگا تو صرف اتنی بات پر یہ فیصلہ نہ کرے مخالفت کا۔اس صورت میں عموماً یہ ہوتا ہے کہ مجتہد کی دلیل دوسری آیت یا حدیث ہے اور جو اس شخص کو معلوم ہوئی اسے اس مجتہد نے منسوخ یا مؤول یا مرجوح قرار دیا ہے۔لہٰذا ایسے مواقع پر سہولت تفہیم کے لیے اکثری قاعدے کو بطور علامت ذکر کر دیا گیا ہے۔یہ صحیح مراد ہے ان تین قواعد کی۔باقی ان الفاظ کے ظاہر سے جو شبہ ہوسکتا ہے کہ آیت یا حدیث کو مجتہد کے قول کے تابع قرار دیا گیا ہے سو معاذ اللہ یہ تو کسی عام مسلمان کی بھی مراد نہیں ہوسکتی،چہ جائیکہ امام کرخی جیسے جلیل القدر فقیہ کی یہ مراد ہو! اتنا حسن ظن تو ہر مسلمان کا حق ہے کہ اس کے کلام سے حتی الامکان صحیح معنی مراد لیے جائیں۔اور یہ معنی ان قواعد کے الفاظ میں غور کرنے سے بھی سمجھ میں آتے ہیں؛ کیونکہ ان قواعد میں نسخ،ترجیح اور تاویل کا ذکر ہے اور یہ سب دلیل معارض کے پائے جانے کی وجہ سے ہوتے ہیں،تو ان میں دوسری دلیل کے ماخوذ و مستدَل ہونے کی طرف اشارہ ہے اور یہی ان قواعد کی غرض اور صحیح مراد ہے۔

حاکم کہتے ہیں: ولعلَّ متوهِمًا يتوهَّمُ أن لامعارضَ لحديثٍ صحيحِ الاسنادِ آخرُ صحيحٌ. وهذا المتوهم ينبغي أن يتأمل كتاب الصحيح لمسلم حتى يرى من هذا النوع مايمل منه. (المستدرک:۳۴۹/۱) ہوسکتا ہے کہ کسی کو یہ وہم ہو کہ حدیث صحیح کے معارض دوسری صحیح

حدیث نہیں ہوتی! اسے چاہیے کہ صحیح مسلم میں غور کرے۔ اس قسم کی اتنی مثالیں ملیں گی کہ جی بھر جائے گا۔ قرافی کہتے ہیں: كثير من فقهاء الشافعية يعتمدون على هذا ويقولون: مذهب الشافعي كذا لأن الحديث صح فيه وهو غلط فإنّه لابدّ من انتفاءِ المعارض والعلم بعدمِ المعارض يتوقف على من له أهلية استقراء الشريعة حتى يحسن أن يقول لامعارض لهذا الحديث. وأما استقراء غير المجتهد المطلق فلاعبرة به. (شرح تنقیح الفصول: ص ۴۵۰) بہت سے فقہاء شافعیہ اس کو لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ شافعی کا مذہب یہ ہے؛ کیونکہ اس بارے میں صحیح حدیث آئی ہے۔ یہ بات غلط ہے؛ کیونکہ معارض نہ ہونے کا علم ضروری ہے اور یہ علم اسے ہوگا جسے (دلائل) شرع کے استقراء کی اہلیت ہو؛ تا کہ اس حدیث کے معارض کی نفی کر سکے۔ رہا غیر مجتہد مطلق کا استقراء سو اس کا اعتبار نہیں۔

اس موضوع پر مستقل رسالہ

احمد بن باکر صالح باکری کا اس بارے میں ایک رسالہ ہے: مقولة الامام أبي الحسن الكرخي ت ٣٤٠ رحمه الله: كل آية أو حديث يخالف ما عليه أصحابنا فهو مؤول أومنسوخ: دراسةأصولية فقهية. باحث اپنے رسالے کا خلاصہ یوں بیان کرتے ہیں: هذه المقولة التي اشتهرت عنه وكانت مثارًا لتشنيعِ كثيرٍ من الباحثين في تاريخ الفقه وأصوله ووصفوا قائلها بالغلو في التعصب المذهبي والتقليد الأعمى ورد نصوص الشريعة بأقوالِ الفقهاء ولاريبَ أن هذه التهمةَ لايتهم بها مسلمٌ عادي فضلًا عن فقيه وأصولي كبير كالامام الكرخي وتبين من خلالِ تتبعِ سياق هذه المقولة أنها مسلك أصولي معتمد جرى عليه فقهاء الاسلام قديمًا وحديثًا وفي جميع المذاهب الفقهية كما بينته وقررته في هذا البحث نظريًا وتطبيقًا. یہ امام کرخی کا مشہور قول ہے۔ یہ ان پر فقہ اور اصول کی تاریخ کے بہت سے باحثین کی تشنیع کا سبب بنا ہے۔ اور انھوں نے اس کے قائل کو تعصب مذہبی میں غلو اور اندھی تقلید کا مرتکب اور نصوصِ شریعت کو فقہاء کے اقوال سے رد کرنے والا کہا ہے اور اس میں شک نہیں کہ یہ تہمت عام مسلمان پر بھی نہیں لگائی جاسکتی، چہ جائیکہ امام کرخی جیسے بڑے اصولی پر لگائی جا سکے۔ اس قول کے سیاق سے واضح ہوا ہے کہ یہ اصولیین کا ایک معتبر انداز ہے جسے قدیم اور جدید دور کے فقہاء اور سب فقہی مذاہب نے اختیار کیا ہے، جیسے میں نے اس بحث میں نظری اور تطبیقی طور پر واضح اور ثابت کیا ہے۔